ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم
ترجمہ: پروفیسر حامد خان حامد

اسلام کی رُوحانی قدریں اور نوجوان

اسلام ایک موحّدانہ مسلک ہے اور توحید یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اس کے نظریۂ حیات میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان ہی اسلام کا بنیادی عقیدہ اور اساسی تصوّر ہے۔ اسلام کا تمام فلسفہ، مابعد الطبیعیات، الٰہیات، علمیات، علم الوجود، اخلاقیات، اجتماعیات یعنی انسانوں کے باہمی روابط اور حقوق، غرض سبھی کچھ اسی عقیدۂ توحید سے استنباط ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالقِ کُل ہے۔ وہی وجود کی ابتدا ہے اور وہی انتہا۔ وہی رسمی و غیر رسمی اطراف وجود کے لیے وسیلۂ وحدت ہے۔ وہ محیطِ کُل بھی ہے، لامحدود اور مطلق بھی۔ رگِ جاں سے قریب تر بھی ہے اور وراء الوراء بھی۔ توحید کے علاوہ اللہ تعالیٰ کا ایک بنیادی وصف رحمت ہے یعنی محبت، شفقت اور کریم النفسی۔ وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔ مسلمان کو اپنا کوئی بھی کام کرنے سے پہلے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کہنے کی ہدایت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت بے قاعدہ اور بے اصول نہیں اس نے اپنے ذمے ایک فرض عائد کر رکھا ہے اور یہ فرض ہے غیر فانی اور لامحدود محبت کا۔

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت مجرّد نہیں بلکہ متنوّع ہے۔ اس ایک کائنات میں بہت سی دنیائیں موجود ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ہی ان سب کا محافظ اور پروردگار ہے۔ مادّہ، جسم، ذہن اور روح، سب عوالم اللہ تعالیٰ کی ذات سے تکمیل پذیر ہوتے ہیں جو رب العالمین ہے۔

ہر عالم کے مخصوص قوانین اور جُداگانہ طرزِ وجود ہے۔ انسان سے عقل اور آزادیٔ رائے کا ظہور ہوتا ہے۔ تاکہ وہ غیر فانی صداقتوں پر غور کرے اور اپنی مرضی کو بلا کسی پابندی اور جبر کے اللہ تعالیٰ کی رضا پہ چھوڑ کر اس کی مقدس ذات سے ہم آہنگ ہو جائے۔ اور اس طرح دنیا میں نیابتِ الٰہی کا حقیقی معنوں میں اہل بن سکے۔ اپنا تحفظ ہر انسان کی اپنی ذمہ داری ہے۔ گناہ موروثی فساد یا خرابی کے طور پر انسان میں سرایت نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف خلوصِ دل سے رجوع کرنا ہر وقت ممکن ہے۔ اچھے اعمال بُرے افعال کے نتائج کو ختم کر دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اور انسان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ اور انسان کا رابطہ براہِ راست ہے اور اس کا اظہار اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کی مرضی پر کاربند رہنے سے ہوتا ہے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ تمام کائنات کا سرچشمہ ہے اس لیے تمام کائنات مقدس اور پاک ہے تاوقتیکہ انسانی آزادی کا غلط استعمال اسے ملوث و مکدر نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ تمام اقدار کا خالق اور محافظ ہے عقل اور عشق الہیاتی اقدار ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا حصول ہی انسانی زندگی کا منتہائے مقصود ہے۔ اسلامی اخلاقیات کی بنیاد مقدس اور الہیاتی صفات کو اپنی ذات کے اندر سمو لینے پر قائم ہے۔ صحیفۂ فطرت کا بنظرِ غائر مطالعہ اور مختلف النوع مظاہر میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا مشاہدہ کرنے سے انسان خالقِ کائنات کی تجلیات سے بہرہ ور ہو سکتا ہے۔ اس بنا پر مناظرِ فطرت اور مظاہرِ قدرت کا مطالعہ و مشاہدہ بجائے خود ایک قسم کی عبادت ہے۔ قرآن حکیم کے مطابق اللہ تعالیٰ کی تخلیقات میں کوئی خلیج حائل نہیں۔ لہٰذا فطرت اور مافوق الفطرت کے درمیان تمیز کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ اسلام فطری مافوق الفطریت یا مافوق الفطری فطریت ہے۔ وجود کی بنیاد اٹل قوانین اور غیر فانی صداقتوں پر قائم ہے۔ انسانی زندگی کا منتہائے مقصود الٰہی ابدی اور غیر فانی صداقتوں کا حصول و ادراک ہے۔ یہ ہے سچے مذہب کی قرآنی تعریف۔

اللہ تعالیٰ کی فطرت ناقابلِ تبدیل قوانین پر مبنی ہے۔ اسی کے مطابق انسان کی فطرت کو ڈھالا گیا ہے جو اس کی تخلیق ہے۔ یہی درست اور سچا مذہب ہے۔ اخلاقی اور مادی عوالم کے لیے بھی یہ بات اتنی ہی درست ہے۔ اخلاقی نظام ابدی اور غیر فانی ہے۔ اخلاق و آداب کی اضافتیں مطلق اور ابدی اقدار و مسلمات کے ذیل میں آتی ہیں۔

وجودِ باری تعالیٰ عالمِ ادراک و احساس کی حدود سے ماورا ہے۔ لہٰذا غیب میں عقیدہ رکھنا ایمان کا جزوِ لاینفک ہے۔ مادہ پرستانہ فطرت وجود کی تجلی کو بغیر کسی جواز کے محدود کر دیتی ہے۔ حیات، ذہن اور روح کی تشریح کسی مادی مفروضے سے نہیں ہو سکتی۔ انسان ان تمام عوالم میں بیک وقت رہتا یا رہ سکتا ہے۔ انسانی زندگی کا نصب العین ان تمام مختلف پہلوؤں کو آپس میں مربوط کرنا ہے تاکہ اس وحدت کا ادراک کیا جا سکے جو کثرت میں جاری و ساری ہے۔

جو شے انسانی شخصیت کی ہمہ گیر اور مربوط و منظم ترقی میں مانع ہے، وہ فی الحقیقت باطل ہے۔ اسلام زندگی کو لبیک کہتا ہے اور اس کو ایک آفاقی وحدت کے اندر سمو لینے کی سعی کرتا ہے

چونکہ انسانی روح آزادی کے مناسب استعمال ہی سے ترقی پذیر ہو سکتی ہے اس لیے ایمان اعتقاد کے معاملات میں کسی بھی قسم کا جبر ناجائز اور غیر مشروط طور پر ممنوع ہے۔ قرآنی تعلیمات یہ بتلاتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ اس امر پر قادر تھا کہ لوگوں کو اپنی الوہیت کا یقین دلا دیتا لیکن اس نے ایسا کرنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ مطلق جبریت روح کے لیے موت کا باعث ہے انسان اللہ تعالیٰ کی ذات تک جہد و خطا کے طریقے اور اپنی عقل و ارادہ کے آزادانہ استعمال کے ذریعے سے پہنچتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے معاملے میں اس ہمہ گیر، اٹل اور آمرانہ قانون کا اعادہ کرنا نہیں چاہتا جو اس نے ادنیٰ درجے کے جانداروں مثلاً کیڑے مکوڑوں پر نافذ کر رکھا ہے۔
تمام مختلف النوع اور لامتناہی مخلوقات کی اساسی وحدت کی طرح انسانی وحدت بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا ایک بدیہی نتیجہ ہے۔ اسلام ایک وسیع المشرب، صلح کل اور عالمی معاشرہ کا علمبردار ہے جس میں ہر قوم اور فرقے کے لوگ کسی ضابطے اور قاعدے کے تحت مکمل آزادی کے ساتھ زندگی بسر کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں نے بہت سے ممالک اور اقوام پر صدیوں تک حکومت کی لیکن اسلام قبول کرنے کے سلسلے میں کسی پر کوئی دباؤ نہیں ڈالا۔
اگر اس سلسلے میں جبر یا زبردستی کی گئی ہوتی تو تمام برعظیم پاک و ہند، مشرقی یورپ کا ایک بڑا حصہ، پورا اسپین اور پرتگال، یہ سب ممالک اسلامی عقاید کے حامل ہوتے۔ اگر مسلمانوں نے ایسا کیا ہوتا تو سیاسی اعتبار سے تو انھیں بے شمار فائدے حاصل ہو جاتے لیکن نظریاتی اعتبار سے وہ خسارے میں رہتے۔ کیونکہ ان کا یہ نظریہ اسلام کے خلاف ہوتا اور اس طرح وہ اپنی روحانیت کو گنوا کر دنیا حاصل کر لیتے۔

تاریخ کا غیر جانبدارانہ مطالعہ کرنے سے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ ایک ہاتھ میں قرآن اور دوسرے ہاتھ میں تلوار کے قصے محض غلط تصورات کی جعل سازی کے علاوہ کچھ نہیں۔ لبنان اور شام میں عیسائیوں کی بڑی آبادی اس افترا اور بہتان کی کھلی تردید ہے۔

اوپر اسلام کی روحانی اقدار کا مختصراً ذکر کیا گیا ہے۔ اسلام نے تحفظ اور صداقت کی

اجارہ داری کا کبھی دعویٰ نہیں کیا۔ اسلام جب کبھی سچائی یا اچھائی کی تعلیم دیتا ہے تو یہی کہتا ہے کہ انسانیت کے عظیم روحانی رہنما یعنی انبیا علیہم السلام قرآنی الہامات اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت سے قبل اس کی تبلیغ کر چکے ہیں۔ اسلام دنیا میں صرف حضرت محمد صلعم کے ساتھ ہی نہیں آیا۔ یہ ایک ایسی اصطلاح ہے جو اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں کے مذہب کے لیے استعمال ہوتی رہی ہے اسلامی عقیدے کی رو سے حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰؑ، حضرت عیسیٰؑ، سب اسلام کے بڑے معلم و مبلغ ہیں۔ گوئٹے نے کہا ہے: اگر اسلام کا مطلب صرف یہ ہے کہ اپنی مرضی کو اللہ تعالیٰ کی رضا کے تابع کیا جائے تو کیا ہم سب مسلمان نہیں؟ کارل لائل نے گوئٹے کے حوالے سے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ یہ نظریہ ہر اس شخص کے بارے میں صحیح ہے، جو سچا، مخلص اور متین ہے۔ اس طرح ہر سچا مسلمان، جو حضرت عیسیٰؑ پر نازل ہونے والی صداقت پر خلوص دل سے ایمان رکھتا ہے، عیسیٰؑ کا پیرو بھی ہے۔ اگر مذہبی رسومات اور دینی عقاید کے اوپر سے مصنوعی پردے ہٹا دیئے جائیں تو دنیا کے ان دونوں مذاہب (اسلام اور عیسائیت) میں ایک ہی حیات آفریں صداقت نظر آئے گی۔ اسلام نے تمام ادیان کے ایک ہونے کی تبلیغ کی ہے باوجود اس بات کے کہ ان کے عقاید و رسومات میں کچھ اختلاف اور فرق ہے۔

ان الذین اٰمنوا والذین ھادوا والنصارٰی والصابئین من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر و عمل صالحاً فلھم اجرھم عند ربھم ولا خوف علیھم و لاھم یحزنون۔ (قرآن - بیضاوی ص ۷۹)	وہ لوگ جو زبان سے ایمان لائے۔ (اور سنتِ رسول پر چلے) اور یہود و نصاریٰ و صابئین میں سے جنھوں نے اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھا اور نیک عمل کیا ان کے رب کی طرف سے ان کے لیے اجر ہے۔ انھیں نہ کوئی ڈر ہوگا اور نہ رنج و تکلیف (تحفظ کے سلسلے میں قرآن کی یہ آیت اکثر دہرائی جاتی ہے)

قبل اس کے کہ اصل موضوع کی طرف رجوع کیا جائے ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی روحانی اقدار کا ایک خاکہ مرتب کیا جائے۔ جس کی تفصیل یہ ہے:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کے وجود پر ایمان رکھنا، جو رحمٰن و رحیم ہے اور کائنات کا خالق و محافظ ہے۔

۲۔ تخلیقات کی رنگا رنگی اور کثرت کے باوجود وحدت پر ایمان رکھنا۔

۳۔ ابدی صداقتوں پر ایمان رکھنا جن کا علم اور زندگی میں شمول تمام سچے مذاہب کو اپنے دائرے میں لے آتا ہے۔

۴۔ انسانیت کی لازمی، بنیادی اور طبعی وحدت پر ایمان رکھنا۔

۵۔ غیب پر ایمان رکھنا۔

۶۔ ابدی و غیر فانی اخلاقی نظام پر ایمان رکھنا۔

۷۔ ایک بنیادی قدر کی حیثیت سے انسان خودی (ایگو) کی بقا پر ایمان رکھنا۔

۸۔ ابدی و لافانی قوانینِ وجود کا ادراک کرنے کے لیے غیر متعصبانہ عقل و شعور کی گہرائی اور وسعت میں ایمان رکھنا۔

۹۔ عقل و منطق اور وحی و الہام کی ہم آہنگی میں ایمان رکھنا۔

۱۰۔ انسانی روح کے جوہر کی حیثیت سے آزادی میں ایمان رکھنا۔

۱۱۔ انفرادی ذمہ داری پر ایمان رکھنا۔

۱۲۔ دعا کی فلاحی و اصلاحی قوت میں ایمان رکھنا۔

۱۳۔ اگر حیات، اللہ تعالیٰ سے وابستہ ہے تو اس کے لامحدود اور جاوداں ہونے پر ایمان رکھنا۔

اب یہ بات زیرِ بحث لانی ہے کہ نوجوانوں کو اسلام کے ان عقاید اور روحانی اقدار سے کیسے روشناس کرایا جا سکتا ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلی بات یہ ہے کہ ایسے مسلمانوں کو ڈھونڈا جائے، جنھوں نے ان اقدار کو سمجھا ہے اور جن کی رہبری قرآن پاک کی الہامی تعلیمات نے کی ہے، جو انسانیت کی راہنمائی کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے بھیجے ہوئے تمام انبیا علیہم السلام پر نازل شدہ وحی و الہام کی تصدیق و توثیق اور تکمیل کرتا ہے۔ ان مسلمانوں کی تعداد جنھوں نے حقیقی معنوں میں اسلام کی روح کو سمجھا اور اپنی ذات میں سمویا ہے اتنی ہی

قلیل ہے جتنی کہ ان عیسائیوں کی تعداد جنھوں نے صحیح طور پر حضرت عیسیٰؑ کے مسلک کی حقیقت کو پہچانا ہے۔ جن اقدار کو معلم بذاتِ خود نہ جانتا ہو انھیں دوسروں تک پہنچانا انتہائی گستاخی وشوخ چشمی ہے۔ مسلمانوں کو دوبارہ مسلمان بنانا پڑے گا جس طرح عیسائیوں کو ازسرِنو عیسائی بنانے کی ضرورت ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ جب مذہب کی یہ اصلاح عمل میں آئے گی، تو وہ جان لیں گے کہ وہ ایک ہی منزل پر پہنچ گئے ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے تنبیہ کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اپنی روحانی اصلاح کیے بغیر دنیا کے آخری گوشوں تک کسی کو اپنا مرید بنانے کے لیے جانا، مرید کو اس کے غیر اصلاح شدہ مبلغ کے ساتھ جہنم کا دوگنا عذاب دینے کے مترادف ہے۔ مسلمانوں اور عیسائیوں دونوں کے لیے مذہبی اعتبار سے خود اپنی اور اپنی قوم کی اصلاح کرنے کا کافی کام ہے۔

عصرِ حاضر میں نظامِ تعلیم کا ڈھانچہ کچھ اس طرح تیار کیا گیا ہے کہ زندگی کی روحانی اقدار بالکل نظر انداز کر دی گئی ہیں۔ زندگی گھر، اسکول، کالج اور یونیورسٹی میں اس قدر مادہ پرستی اور لادینیت کا شکار ہو کر رہ گئی ہے کہ طبیعیات، فنیات اور معاشیات، نے سارے ماحول پر اپنا قبضہ جما رکھا ہے۔ مارکس، اینجلز اور لینن کی منطقی دہریت اور تاریخی مادہ پرستی محض ان رجحانات کی شدتِ مزید ہے جن کی حوصلہ افزائی مغربی دنیا میں گزشتہ دو صدیوں کی فطرت پسندانہ مادہ پرستی کی یکطرفہ ترقی سے ہوئی۔

ہمیں طبیعی علوم اور فنیات کی ترقی کے خلاف کچھ نہیں کہنا ہے۔ یہ انسانی ارتقا کا ایک قابلِ قدر پہلو رہا ہے۔ اسلام اور عیسائیت کے روایتی عقاید کی بنیاد کو خراب کرنے میں جتنا دخل زندگی کی قوتوں میں ایمان کی بے تعلقی کو حاصل ہے، سائنس کی قدرت کو نہیں۔ روایتی اور دستوری عقاید کے حامی زمانے کی روح کو نہ سمجھ سکے۔ جب زندگی نئی متحرک قوتوں کو جنم دے رہی تھی مذہب نے سکونی نظریۂ حیات کے لیے جنگ جاری رکھی جس نے یا تو اور پیچھے ڈھکیل دیا، یا اپنی حالت کو بدستور قائم رکھا۔ مسجدیں اور گرجے رجعت پرستانہ ظلمت پسندی کے ساتھی بن گئے۔ اور فطرت پرستانہ نظریۂ حیات کو روحانی بنانے سے قاصر ہو گئے۔ غریب مزدوروں اور کسانوں کا خون چوس کر سامو کاروں

نے بڑی پرہیزگاری سے مسجدوں اور گرجوں میں عبادت کی۔ مذہب عوام الناس کے لیے بطور افیون استعمال کیا جاتا تھا۔ محنت کرنے والے غریب مزدوروں کے ساتھ اچھا برتاؤ کرنے کے لیے معاشی نظام حیات میں جو تبدیلیاں رونما ہوتیں، اُن کو مذہب کے نام پہ روک دیا جاتا۔ جب لادینی اور انسانی قوتوں نے عام انسان کے حقوق کو منوانے کے لیے غلبہ پایا تو مذہبی قوتیں طوعاً و کرہاً دب کر رہ گئیں۔ ملحدانہ اشتراکی مادّہ پرستی اسی ظلمت پسندی کا نتیجہ ہے۔ یہ درست ہے کہ انسانی زندگی کا منتہائے مقصود صرف روٹی نہیں لیکن جب روٹی غیر محفوظ اور غیر یقینی ہو جاتی ہے تو انسانی روح کے لیے اس سے بلند تر چیزوں کی طرف بڑھنا ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جاتا ہے۔ جب روٹی کی ضرورت ہو اور اس کی جگہ پتھر پیش کیے جائیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ انسانی روح کو گرا کر زندگی کی ایک ایسی ادنیٰ سطح پہ لایا جا رہا ہے جو محض زندہ رہنے کی جدوجہد سے عبارت ہے اور جس میں کوئی اخلاقی نظام نہیں ہوتا۔ پیغمبر اسلام نے فرمایا ہے کہ افلاس انسان کو اللہ تعالیٰ سے بہت دور لے جاتا ہے۔ یہ عقلی اور سائنسی دور ہے اور محض ان عقاید سے مطمئن نہیں ہو سکتا جو صریحاً خلافِ عقل یا بہت زیادہ منطقی اور غیر استدلالی طور پہ نادرست ہیں۔ قبل اس کے کہ روحانی اقدار کو تیزی سے بڑھتی اور بدلتی ہوئی زندگی میں سمویا اور داخل کیا جا سکے، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان اقدار کو نئے سرے سے دریافت کیا جائے اور از سرِ نو ان کا مطلب و مفہوم متعین کیا جائے۔ ہر دور نئی توجیہہ و تشریح، نئی تشکیل اور نئے تصرف کا متقاضی ہوتا ہے۔

"پرانا نظام بدل جاتا ہے اور نیا نظام اس کی جگہ لے لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ مختلف طریقوں سے اپنا اظہار کرتا ہے۔ مبادا ایک اچھا رواج ہی دنیا کو تہ و بالا کر دے۔" (ٹینی سن)

مذہب کو لازمی و بنیادی آزادی کا علمبردار اور معاشرتی انصاف و مساوات کا حامی ہونا چاہیے۔ اسی صورت میں یہ انسان کی روح میں فائدہ پہنچانے والی اور ترفع پیدا کرنے والی قوت کے طور پہ داخل ہو سکے گا۔ جب تک مذہب خلافِ عقل عقاید اور مستقل خود غرضیوں کا ساتھی رہے گا، برابر میدان ہارتا رہے گا۔ بحر اوقیانوس سے بحر الکاہل کے ساحل تک اسلام کے بسُرعت پھیلنے کے مختلف اسباب میں ایک بڑا سبب انسانی مساوات اور باہمی اخوت ہیں جن

کی نہ صرف زبانی طور پر تبلیغ کی جاتی تھی۔ بلکہ عملاً بھی اس کا اظہار کیا جاتا تھا۔ تمام نسلی اور طبقاتی امتیازات بیک قلم موقوف کر دیئے گئے اور تاریخ میں پہلی مرتبہ کالا آدمی (حبشی) گورے آدمی کا ہمسر اور بھائی بن گیا۔ حضرت محمد صلعم کی قائم کردہ جمہوری حکومت میں غریب ترین شہری حکومت کے سربراہ پر مقدمہ چلا سکتا تھا اور اس کو عدالت میں حاضر ہونے کے لیے مجبور کر سکتا تھا۔ ایک غلام کو بھی اپنا مذہب و مسلک تبدیل کرنے کے لیے مجبور نہیں کیا جا سکتا تھا۔ شادی، طلاق، وراثت اور معاشی آزادی کے سلسلے میں عورت کو وہ حقوق حاصل ہوئے جن سے بعض غیر متمدن و نیم مہذب ممالک کی عورتیں اب بھی محروم ہیں۔ صدیاں گزرنے کے ساتھ ساتھ اسلامی معاشرہ بھی ساکت و جامد ہو گیا۔ دینیات اور فلسفۂ قانون منجمد ہو کر رہ گئے۔ انسانی آزادیوں کا تحفظ ختم ہو گیا۔ ملوکیت، جاگیرداری، ملاگردی، دولت حاصل اور جمع کرنے یا اڑانے کے ناجائز ذرائع، مختصر یہ کہ تمام غلط اعمال، رسومات اور دساتیر مذہب کی آڑ لے کر قابلِ توقیر بنا تے گئے۔ چونکہ پورا معاشری، سیاسی اور اقتصادی نظام کمزور ہو چکا تھا اس لیے اسلامی سلطنتیں خارجی و غیر ملکی استعماری اور اقتصادی مفادات کا شکار ہو گئیں۔ اس کا علاج اسلام کی آزادانہ اور انسان شناسانہ روح کی طرف لوٹ جانے میں مضمر ہے، جو قرآن کی تعلیمات اور نئے ماحول میں ان تعلیمات کو جامۂ عمل پہنانے میں موجود ہے۔

اسلام کئی صدیوں تک آرٹ، ادب، فلسفہ اور مذہبی تجربے میں مخالفت کے باوجود ایک نہایت ترقی پذیر قوت رہا اور اسلامی تہذیب نے تمام ہمعصر اور قدیم کلچروں سے اعلیٰ اقدار کو اپنے اندر جذب کر کے بڑا فروغ پایا۔ اب ان روحانی اقدار کو جنھوں نے ان متحرک اور ترقی پذیر صدیوں کو جنم دیا، دوبارہ دریافت اور تشکیل کرنا پڑے گا۔ اس ضمن میں ان اقوام کے گراں قدر تجربات سے بھی استفادہ کرنا ہوگا، جو مسلمانوں کے تنزل کے بعد برابر ترقی کرتی رہیں۔

مذہب اقدار میں مجرد عقیدہ سے عبارت نہیں۔ جب تک ایمان کو روزمرہ کی مادّی زندگی میں بروئے کار نہیں لایا جائے گا، زندہ نہیں رہ سکتا۔ محض خلا میں ایمان کا پروان چڑھنا ممکن نہیں۔ ایک حقیقی مذہبی نقطۂ نظر کو تمام انسانی روابط میں دخیل ہونا چاہیے، اگر اسے فی الواقع

ایک محرک، معلوماتی اور مفید قوت کے طور پر کام کرنا ہے۔

اسلام نے روحانی اور مادّی وجود کی مغائرت کو مٹا دیا ہے۔ اسلام ایک مکمل اصلاحی مذہب ہے، جو انفرادی، معاشری، اقتصادی، سیاسی اور اجتماعی یا جماعتی روابط میں توازن قائم کرتا ہے۔ یہ مذہبی نظریہ ظہورِ اسلام کے وقت آفاقی طور پر قبول نہیں کیا گیا تھا۔ اور ایک مذہبی اور پارسا آدمی سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ وہ تارک الدنیا ہو کر اپنی روحانیت کا تحفظ کرے۔ گویا مذہب محض قرابت سے عبارت تھا۔ اسلام نے رہبانیت کو ممنوع قرار دے دیا (جیسا کہ لا رھبانیۃ فی الاسلام سے ظاہر ہے) اور یہ تعلیم دی کہ زندگی کے ہر پہلو کو روحانیت اور عادل و رحیم اللہ تعالیٰ کے دائمی شعور و ادراک سے مملو ہونا چاہیے، جس نے کوئی بھی چیز بیکار پیدا نہیں کی۔ مادّہ، جسم اور زمین بھی پاک اور مقدس ہیں۔ انسان کو محض آخرت میں جنت کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اس دنیا میں بھی اپنے لیے جنت بنانی چاہیے۔ قرآن پاک یہ بتلاتا ہے کہ جن لوگوں نے اس دنیا میں ہوشمندانہ، صالحانہ اور پاکیزہ و سنجیدہ زندگی گزاری ہے، وہ جب جنت کے میوے کھائیں گے تو پکار اٹھیں گے کہ انھوں نے اسی قسم کے میوے اپنی دنیوی زندگی میں بھی چکھے تھے۔ انسان، جس کو اس دنیوی زندگی میں بہت سے تکلیف دہ مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، صرف آخرت کی نعمتوں سے مطمئن نہیں ہو سکتا۔ محض مابعد الطبیعاتی عقاید، جن کا موجودہ حقیقی زندگی پر براہِ راست کوئی اثر نہیں، بے سود ہیں۔

ایسے لوگ بھی موجود ہیں جو صرف اپنے خود غرضانہ مفادات کا تحفظ کرنے کے لیے سوشلزم اور کمیونزم سے اجتناب کرتے ہیں اور اپنی حفاظت کے لیے مذہب کا سہارا لیتے ہیں۔ دنیا میں اشتراکیت کا ایک بڑا سبب بھوک اور افلاس ہے۔ زیادہ آبادی والے غریب ممالک میں جہاں محض جسمانی بقا کے لیے بھی زندگی کی بنیادی احتیاجات کا تحفظ نہیں، اشتراکیت کو اپنی تمام بیماریوں کے لیے اکسیر جانتے اور اپنے تمام مصائب کا حل تصور کرتے ہیں۔ ان ممالک میں صرف زبانی طور پر روحانی اقدار میں ایمان رکھنے سے اشتراکیت کے چیلنج کا مقابلہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہم ایک تغیر پذیر دنیا میں رہ رہے ہیں۔ یہاں ہر روایتی عقیدے اور ایک عرصے سے مسلّم دستور کی صحت کو چیلنج کیا جاتا ہے۔ مذہب کی ناگزیر اقدار کو نئے

تصورات اور نئے حالات کی روشنی میں از سرِ نو تشکیل کرنا چاہیے۔ محض صوم و صلوٰۃ اور مذہبی رسومات کی پابندی سود مند نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس دنیا کو جنت نظیر بنانے میں انسانوں کے باہمی تعاون پر زور دیتا ہے۔ انسان کی اپنی پیدا کردہ برائیوں کے انسداد کے لیے اس کی اپنی کوششیں درکار ہیں، جو اس عقیدے سے مضبوط و مستحکم ہوں کہ حق بالآخر غالب آتا ہے۔ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ اگر تم اپنے گرد و پیش میں کوئی برائی پاؤ تو اسے اپنے ہاتھوں سے رفع کر دو۔ لیکن اگر تم ایسا کرنے کے قابل نہیں ہو تو اس کے خلاف نعرہ لگاؤ۔ اور سختی سے اس کی مذمت کرو۔ اگر شدید مجبوری کی وجہ سے تم ایسا بھی نہ کر سکو تو دل ہی دل میں اس سے نفرت کرو لیکن یہ ایمان کا کمزور ترین پہلو ہے۔

مسجدوں اور گرجوں میں جانے والے لوگ اگر نسلی امتیازات اور طبقاتی تقسیم کے حق میں رائے رکھیں اور استعماری اور اقتصادی مفادات میں اپنے حکمرانوں کی حمایت کریں اور اگر زمیندار غریب کسانوں کی حق تلفی کرتے رہیں اور ان کو اپنے مفادات کے حصول کا آلۂ کار سمجھتے رہیں تو مذہب محض مکر و فریب اور تمسخر و استہزا بن کر رہ جائے گا۔ مذہبی اقدار کی اب نہ دیانتداری سے تبلیغ کی جا سکتی ہے نہ ان سے نئی پود کو روشناس کرایا جا سکتا ہے۔ تاوقتیکہ مذہبی رہنما جائز آزادی، مساوات اور اخوت کو قائم کرنے کے لیے آگے بڑھنے کی جرأت نہ کریں۔ ہمیں آزاد لوگوں کی مساوات چاہیے غلاموں کی نہیں۔ آمریت، انسانی آزادی کو دبا کر محض عدم استحقاق کی مساوات کو قائم کرتی ہے۔ اسلام آزادی اور معاشری نظام کے صحت مند امتزاج کا متقاضی ہے۔

مذاہب کو عملی کسوٹی پر پرکھنا اور جانچنا پڑے گا۔ مابعد الطبیعاتی عقاید اور روحانی اقدار و نصب العین کی مبہم اور غیر واضح تصدیقات سے کام نہیں بنے گا۔ سائنس، اقتصادیات سیاسیات، تعلیم، باہمی و اجتماعی روابط کے مسائل اور جنگ و امن کے سوالات کے بارے میں مذاہب کو اپنے نظریات اور طرزِ عمل کی وضاحت کرنی پڑے گی۔ مذہب کے درخت کی قدر و قیمت کا اندازہ اس کے پھل سے ہو سکے گا۔ غیر متعین باتوں اور مبہم اصولوں کو مان لینا تو آسان ہے لیکن مناسب طور پر انھیں عملی زندگی کے مسائل میں بروئے کار لانا آسان نہیں۔ انسانیت

کی بے چین روح اور پاکیزہ ضمیر کو مطمئن کرنے کے لیے ہمیں ٹھوس جوابات دینے ہوں گے جو داخلی و خارجی تصادم اور خلفشار کو رفع کرنے میں حقیقی راہنمائی کر سکیں۔ زندگی کے روحانی تصور کو نظر انداز کیے بغیر مذاہب کو اپنا زورِ بیان اور زورِ عمل دینی مباحث اور مابعد الطبیعاتی عقاید سے ہٹا کر انسانیت پر صرف کرنا ہوگا۔ انھیں زندگی کو اس دنیا میں بھی رہنے کے قابل بنانا پڑے گا اور مادی سطح سے ماورا ایک بلند تر زندگی کے لیے ضروری تیاری بھی کرنی پڑے گی۔ اسلام نے اس امر کی تعلیم دی ہے کہ جو انسان اس دنیا میں بصیرت سے محروم ہے وہ آخرت میں بھی اندھا رہے گا۔ مذہب کی تعلیم اب ایک ایسے طریقے پر دینی ہوگی اور اس پر عمل ایک ایسے انداز میں کرنا ہوگا کہ وہ ہمارے دنیوی وجود پر حاوی ہو کر ایک ایسی زندگی کے ساتھ ہم آہنگ ہو جائے جو پہلے کبھی موجود نہ تھی۔ ایک حقیقی مذہب کو طمع و حرص پہ غالب آ کر اس کی جگہ محبت و اخوت کے پاکیزہ و درخشاں جذبے کو فروغ دینا چاہیے۔

اسلام کی روحانی اقدار تمام سچے مذاہب کی اقدار ہیں۔ اسلامی کلچر اپنی بہترین صورت میں ایک وسیع المشرب، صلحِ کُل، عالمی اور آفاقی کلچر تھا، جو تمام ان خوبیوں کو جو کہیں بھی نظر آتیں، اپنے اندر جذب کر لیتا تھا۔ اسلامی کلچر میں علم کی بڑی گنجائش ہے۔ زندگی کی صداقتیں آفاقی ہیں اور کسی قوم یا فرقے کی ان پر اجارہ داری نہیں۔ قرآن پاک نے برگزیدہ قوم کے تصوّر کی تردید کی ہے اور اسلام میں صرف ایسے برگزیدہ افراد کی وقعت ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف اپنا رُخ کر کے مخلصانہ و صالحانہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

پیغمبرِ اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ علم مسلمان کی گمشدہ دولت ہے۔ وہ اس کا دعویٰ کر سکتا ہے اور جہاں کہیں اسے نظر آئے، اپنی ملکیت بنا سکتا ہے۔ بعض قوموں نے، جو اپنے آپ کو مسلمان نہیں کہتیں، اسلام کی بعض بنیادی اقدار کو بڑے پیمانے پر جامۂ عمل پہنایا ہے اور اس حقیقت کا اعتراف کرنا پڑے گا کہ انھوں نے جو کچھ ترقی کی ہے بلاشبہ ہماری اپنی میراث پر عمل پیرا ہو کر کی ہے۔ ہمیں ان کی کوششوں کی کھلے دل سے تعریف کرنی چاہیے اور ان کی خوبیوں کو حتی الوسع اپنے اندر جذب کرنے کی سعی کرنی چاہیے۔

ہم سوشلزم اور کمیونزم کے تجربات سے بھی بہت کچھ حاصل کر سکتے ہیں بعض مغربی

جمہوریتوں کے ساتھ کمیونزم کے تصادم نے پہلے ہی بالواسطہ طور پر کچھ اچھے اور سود مند نتائج پیدا کیے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ کبھی زہر کے چند قطرے بھی مقویات کا کام کرتے ہیں۔ کمیونزم بجائے خود ایک تغیر ناپذیر عنصر ہے لیکن دوسرے عناصر کی تاثیر اور عمل کو بدلنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ یہ کہا گیا ہے کہ روس کے متعلق جتنی اچھی باتیں بیان کی گئی ہیں سب درست ہیں اور جتنی بری باتیں بیان کی گئی ہیں وہ بھی صحیح ہیں۔ ایک غیر مخلوط اچھائی اتنے بڑے ہمہ گیر اور عالمی انقلاب کو جنم نہیں دے سکتی تھی۔

اسلام کی بنیادی اقدار پر عمل پیرا ہونے کے لیے مسلمان کو فراخ دل ہونا چاہیے اور جہاں کہیں کوئی خیر یا اچھائی نظر آتے اس کا اعتراف بڑی فیاضی سے کرنا چاہیے ہمیں اس یا اس نظام کی غلامانہ تقلید و پیروی کا درس نہیں دینا چاہیے۔ ہم نہ کمیونزم کے حامی ہیں اور نہ سرمایہ داری کے طرفدار ہیں۔ اسلام کا نصب العین ایک فلاحی مملکت قائم کرنا ہے نظریہ کی فراخی کے باوصف ہم ان مغربی جمہوریتوں کی نہ تو اندھا دھند تقلید کر سکتے ہیں اور نہ ہمیں کرنی چاہیے، جو اب تک بہت سی خرابیوں کو جنم دیتی ہیں۔ ہمیں ٹھوس، محکم اور دیانتدار فکر کی ضرورت ہے۔ اسلامی اقدار کو فکر، قول اور عمل کے ذریعے ثابت اور قائم کرنا ہوگا۔ جب تک ان اقدار کو عمل اور دستور میں شامل نہیں کیا جائے گا، کوئی فائدہ بر آمد نہ ہوگا۔ محض درسی کتابوں میں داخل کرنے سے ان اقدار کو نئی پود تک نہیں پہنچایا جا سکتا۔ ان اقدار کو ہر قدم پر زندگی سے وابستہ کرنا پڑے گا۔ اس سلسلے میں اسلام کے اندر بہت سی صلاحیتیں موجود ہیں۔ اور ہمیں امید ہے کہ ایک واضح تر تصور اور متواتر کوشش سے مسلمان دنیا کی دوسری قوموں کے ساتھ امن و امان اور میل جول سے رہتے ہوئے دوبارہ تہذیب و تمدن کے رہنما بن سکتے ہیں۔